

”اس وقت؟... اپنے خوند کے ساتھ... امریکہ میں... اپنی بیگنی کے ساتھ.. دو روز ہو گئے ہیں۔“

”اور وہ صحت مند اور خوش ہے؟“

”ہاں... اور فون پر بھج سے بات کرتی رہتی ہے.. اور اس نے بھی آپ کا حوالہ نہیں دیا.. وہ وہاں سے کوچ کر کے آگے جا پہنچی ہے جہاں آپ تھے.. میں آپ کے لئے کافی کافی کپ پنا کر لاتی ہوں...“

دھمک... دھمک... دھمک... دھمک...

کشی تیز ہواں کے آگے بے بس سندھ کے پانیوں پر ذلتی کھونٹے سے بندھے کسی اڑیل بیل کی ماہنہ کناروں کے ساتھ سر گھرا تی تھی.. جیسے اکتوتے بیٹے کی مرگ پر ایک ماں اس چوکھت پر سر پھینتی ہے جسے پار کر کے وہ آخری بار گھر سے نکلا تھا۔  
خاور ایک سکسن کی طرح جو معبد کے ستونوں کا بوجھا اٹھائے ہوئے تھا، جیسے کو سہارا دی تھا اور باہر فیض کی دیکھیاں اور سرور کی پرات ہواں میں اڑتی پھرتی دفین بجائی سنائی دیتی تھیں..

ہواں کی شدت میں تو کبی نہ ہوئی البتہ اس کے بازو تھک گئے... اور اس کا سر نیند سے بو جھل ہونے لگا... شوکتی ہوا میں معمول ہو گیکیں۔

سرور اور ماں جعفر کشی کو قابو میں رکھنے کی سُنی کرتے.. گال مندا کرتے ہواں کے سُنگ ان کے سر میں سر ملاتے شور کرتے تھے..

دریا کے ریتلے کنارے ایک بہبیب آواز کے ساتھ پانیوں میں گرتے تھے۔ جیسے ان میں کسی نے چھلانگ لگادی ہو.. ان کا رختلا بوجھ پانی میں گرتا تھا اور ہولناک گونج کو جنم دے کر گم ہو جاتا تھا..

پہنچن ہے... پہنچن ہے سائیں... یہ کون پکارتا تھا..

نیند کی مد ہوشی میں... سلیپنگ بیک میں سر پیٹھے بدن کی تھکن اور پچھلی رات کے جگرات میں.. اس نے بمشکل کروٹ بدلتی..

ہاں وہ فون پر مجھ سے بات کرتی رہتی ہے.. اس نے کبھی آپ کا حوالہ نہیں دیا.. وہ  
دہاں سے کوچ کر کے آگے جا پہنچی ہے جہاں آپ تھے..  
سامیں ہم تو آپ کے مرید ہیں ”آپ کی چوکھت پر حاضری دینا چاہتے ہیں .. حکم  
کریں سامیں ..

بھکڑا اور تیز ہوا سیکھیں چیخ تک چلتی رہیں .. ان میں کی نہ آتی تھی۔ پہ پہنچی تو یہ سے ”  
اسی کی منتظر تھیں۔ یکدم سکون ہو گیا.. ہر شے احتفل پھل اور بے چینی اور بے اختیاری سے  
لکل کر سکوت میں آگئی.. سب کچھ تھہر گیا... کشتی کناروں سے ٹکرا لکڑا کرا ب ایک نامراو  
عاشق کی طرح ستاری تھی .. جنوں رخصت ہو چکا تھا.. سب چہروں پر ریت اور ہواں کی  
نندی کی نشانیاں تھیں اور پہنچانے ان کے بوجھ سے بمشکل کھلتے تھے... برتن اور دیگھیاں .. پچھے  
ہوئے .. فہیم سر جھکائے انہیں جھلاڑیوں میں تلاش کر رہا تھا..

کنارے کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی مردہ مچھلیاں پڑی تھیں .. کہیں کہیں کسی  
ایک کی ڈم لمحہ بھر کے لئے پھر کتی ..

مرد اپنے بال پانی کے سینے میں اتارا.. کشتی نے کنارے سے ٹکرا کر اپنے آپ کو  
پرے کیا اور سندھ کے بہاد میں آگئی۔

ابھی تو پچھت رہی تھی .. فہیم تاریکی بہت سچے سے منتظر کا دامن چھوڑ رہی تھی۔ اس  
کی آنکھوں میں بھی ریت اور نیند کے جھونکے تھے.. پہنچنے کھلتے نہ تھے ..

”میں آرام کر رہوں فہیم .. مجھے ڈسرب نہ کرنا“

”ٹھیک ہے سامیں... رات بہت بے آرامی رہی.. آپ ریست کرو“

سندھ کی ندیاں جیرے دھیرے بہتی تھی اور کشتی اسی دھیرج سے اس میں بہتی تھی  
اور خاور اس کے ہلکو روں میں اپنے بدن کے تھکاؤ اور جگرات کو زائل کرنے کے لئے داخل  
ہوا اور عارضی موت کے تجربے کے اندر اتر گاہیا..

ان گنت عارضی پڑاؤ تھے جو غازی گھاث سے بخلے کے بعد رات کے بیسوں کے  
لئے آئے .. سروٹوں کے گھنے ذخیرے .. ریٹلے ناپ .. بے آباد جزیرے .. پرندوں کی چاگا ہیں ..  
ایسے نیلے جن بے صرف ایک دو خیزے بمشکل جگہ پاتے تھے اور فہیم احتیاط سے جھومر ڈالتا تھا کہ  
کہیں پانی میں نہ گر جائے .. یہ سب عارضی پڑاؤ تھے اور وہاں نہیں اپنی ضرورت کے مطابق استعمال

کرتے تھے.. ان کی رہت کو رومند تھے، الاؤ جلا کران کے بدن کو سیاہ کرتے تھے.. خالی بے، پلاسٹک کی بو تلیں.. بھیاں.. شاپر.. ان کے کنوار پن پر بکھیر کر انہیں چھوڑ دیتے تھے.. اور جب الگا پڑا آتا تھا تو پچھلا پڑا آؤ نہیں یاد بھی نہیں رہتا تھا.. میں جانتی تھی کہ یہ ایک عارضی پڑا وہ ہے، وہ زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کرے گی۔ عابدہ سو مرد نے بھی اسے استعمال کیا تھا.. اس کے بدن پر جھوٹ اور نفیاتی عارضے کے الاؤ جلا کر اسے شب بھر کے لئے استعمال کیا تھا... اسے یہ تو فہمایا تھا اور وہ بن گیا تھا.. شہلا آفریدی درست کہتی تھی.. ایک او ہیز عمر کے مرد کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا.. یہ پچھے ہٹ جانا چاہئے تھا.. لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی.. پہلی بار ایسا نہیں ہوا تھا..

انسان ہمیشہ سے ایک عارضی پڑا وہ رہا ہے... ہر انسان بھی سمجھتا ہے کہ دوسرے قصور دوار ہیں... اس کی بیوی کو اس سے کوئی الاؤ نہیں تھا.. وہ زندگی کے اچنڈے میں ایک آئندہ تھا جو گھر میلوں اخراجات کا بند و بست کرتا ہے، پچھے پیدا کرتا ہے.. اور یہ پچھے بھی اس کے عارضی پڑا نہیں ذرا سُبھرے اور کوچ کر گئے.. ان میں سے ہر فرد اس لئے جب وہ اس میں قیام کر جاتا تھا انتہائی بے لوث تھا اور اس سے محبت کرتا تھا.. اس قیام کے دوران کہیں کوئی خود غرضی شامل نہ تھی.. اس کی بیوی نے بھی اسے بہت احتیاط اور لگن سے سنجال سنجال کر کھا تھا.. پچھے بھی اسے دیکھ کر جیتے تھے اور ان کی بانہوں کا لس اس سے جدا نہ ہوتا تھا.. لیکن وہ ایک عارضی پڑا وہی تھا.. اگر عابدہ سو مرد نے بھی اسی تسلسل میں اسے استعمال کیا، اگرچہ ان لمحوں میں اس کی محبت میں بری طرح ابھی رہی.. تو یہ پہلی بار نہ تھا.. اور غالباً آنکھیں بھی اسی تسلسل کی ایک کڑی نہیں.. وہ بھی تو ایک غلام ڈھونے والے سمندری جہاز کے کمپنی کی طرح تھی جو اپنے خاوند اور بچوں کے عارضی پڑاوے سے نکل کر اس کے باتحسباً اس باندھ کر اسے ایک کوٹھری میں بند کر کے چلی جاتی تھی..

سلطانہ کی زندگی میں بھی ایسے ان گست پڑا تھے.. اپنے پکے گھر کے صحن میں سائکل کی گھنٹی پر اپنا نحاماً انگوٹھاڑ کھتی ہوئی.. اوڑک کے باغوں میں.. امریکہ کے فٹ پا تھوں

پر اونڈھی پڑی تھیں لگاتی اور ایک ایرانی لیکس ڈرائیور کے ایک فترے کی سچائی پر ایمان لا کر اپنی زندگی کا نقشہ بدلتی ہوتی... جو ڈاکٹر ہاشم کے عارضی پڑاؤ سے اُنھوں کر اُس کی خیسہ بستی میں آنے کو تیار تھی.. اور اس عمر میں اُس کا پڑاؤ تو قدرتی طور پر بے حد عارضی تھا...  
ہر انسان یہی سمجھتا ہے کہ وہ عارضی پڑاؤ کے طور پر استعمال ہوا جب کہ دوسروں کو اس سے بھی یہی شکایت ہوتی ہے..

نہیں ہے... نہیں ہے سائیں... یہ کون پکارتا تھا..

خاور نے کروٹ بدل کر اس آواز پر کان دھرنا اور ابھی تک ریت بھری آنکھوں کے پپڑوں کو اور پر کیا.. کششی کے پلیٹ فارم پر سرور اور جعفر کے سیاہ پاؤں نہیں تھے، فہیم جھکا ہوا تھا۔ ”سائیں آپ کو ڈسٹریب کیا ہے مگر جاگ جاؤ.. کیا خوش بخت دیہاڑا ہے.. سندھ سائیں کے سینے پر انڈھی ڈولفن ابھرتی ہے اور نظارہ کرتی ہے.. سائیں باہر آ کر دیدار کرو..“  
منظراً کشی کرو...“

خاور باہر آگیا۔

سندھ سائیں کا دسیج حوصلہ مند سیندھ ہموار تھا.. پانیوں کی ایک سمجھے بھتی چادر تھی جس پر پوچھنے کے بعد ابھی ابھی سورج کی زرد کرنیں اتری تھیں اور اس چادر کو نیم سنہری رنگتی تھیں.. جہاں تک نظر کام کرتی تھی وہاں تک صرف پانیوں کی کسماتی چادر تھی اور اس پر کوئی ایک لہر.. کوئی ایک کروٹ دکھائی نہ دیتی تھی..

”ابھی نظر نہیں ہناڑا سائیں.. دیکھتے رہو.. دیدار کرائے گی سائیں..“ فہیم بُت بنا.. آنکھوں کو پتھر کئے اور حنکتا جا رہا تھا.. سرور اپنے بالس کو بھولے ایک عقیدت اور حیرانی کو اپنے سیاہ چہرے پر لٹک کئے پانی کی ہموار اور ابد تک جاتی چادر کو دیکھتا جاتا تھا.. آنکھیں نہیں بھپکتا تھا.. جعفر بھی اسی حالت میں تھا.. وہ دونوں پانیوں کو ایسے تکتے تھے جیسے ان میں سے خواجہ خضر کا ظہور ہونے کو ہے..

”نظارہ کرو سائیں..“ فہیم یکدم چھنا اور سندھ کی چادر کے جس حصے پر خاور نظریں جائے ہوئے تھا اس سے بالکل مخالف سست میں اشارہ کیا..

جنی دیر میں پلٹ کر اس نے اور نگاہ کی.. وہاں سمجھے بھی نہیں تھا۔ البتہ وہاں چادر

میں وہ ہموارگی برقرار نہ تھی.. وہاں کچھ سلامٹ اپنے بیلے اور کردیں تھیں..

”کدھر فہیم“

”سائیں وہ غوطہ لگانی ہے.. ابھی ابھرے گی.. بس نظر بھر کر دیکھتے رہو، جدھر ڈالی  
ہے اور سے ذرا آگے نظر رکھو.. سانس لینے کے لئے اوپر آئے گی اور نظارہ کرائے گی..“  
کشی آپ آپ اپنی من مرضی سے ڈولتی بھتی جاتی تھی..

وہ آرگوس کے سحر زدہ ملاج تھے جنہوں نے سائز کے گیت سن لئے تھے..  
ایک مدت گزر گئی.. اس کی ریت بھری آنکھیں تھیں لگیں..

صرف پکھی تھی جو اس انتظار میں شامل تھیں تھی.. بلہن کو دیکھنے کی چاہت نہ  
رکھتی تھی.. وہ اس گہما گہما سے لا تعلق کشی کے پچھے ہے میں گونھا رے حسب معمول اپنا  
حھگا اخنا کر اپنے بچے کو دودھ پلاری تھی.. صرف ایک بار اس کی سیاہ آنکھوں نے اس تک سفر  
کیا لیکن اس کے سانسوں کی ہواز میں اب دعوت کی وہ گرمی نہ تھی کیونکہ وہ جان پچھی تھی کہ  
اس سائیں میں وہ بات نہیں ہے جو اسے میل کرنے پر مجبور کر دے..

کرنیں تیز اور روشن بھالوں کی طرح پانی میں اتر کر بھتی جاتی تھیں.. اور اسی پانی  
میں سے یکدم آنکو کے جھکتے ہی ایک سرمنی رنگت کی پشت کا ابھار بلند ہوا... آپی چادر کی  
ہموارگی چاک ہوئی اور اس میں سے انہس ڈولغن کا نا ڈینا وجود ابھرا... اس کی گلی پشت پر  
کرنیں پھسلتی گئیں..

خاور کا دم رک گیا.. یہ ایسا پر شکوہ منظر تھا.. آنکھوں میں ریت کے جو ذرے تھے  
وہ موسم ہو گئے اور اب وہ کوشش بھی کرتا تو اپنے بچوں کو جھپکا نہیں سکتا تھا..

ڈولغن ابھری گئی.. گیلے بدن پر سورج کو دھوکا کرتی ہوئی.. روشن ہوئی ابھری  
گئی اور پھر اس کی اندر گی تھوڑی پل بھر کے لئے پانیوں سے باہر آئی اور پھر اسی پل میں وہ تمام  
کی تمام پھر سے ڈوب گئی.. آپی چادر پر اس کے عارضی پڑاؤ کے چند بیلے اور لہرس باقی رہ گئیں  
جو فوراً ہموار ہو کر اس کی موجودگی کے امکان سے مخفف ہو گئیں..

”اب اور سے نظر کرو سائیں..“ فہیم نے وہاں سے لگا ہیں ہناکیں اور کشی کے عین  
برابر میں اپنی توجہ مرکوز کی۔ ”اوھر آئے گی“

اور وہی ڈولغن اب کے ابھری توکشی کو تقریباً اپنے کندھوں سے دھیکتی پانی سے

لکی... اس کی تھوڑتھی باہر آئی تو بے چراغ اور بے نور تھی..

وہ نہیں دیکھ نہیں سکتی تھی، محسوس کر سکتی تھی کہ وہ وہاں ہیں..

وہ ذو لفون اگرچہ چند لمحوں کے لئے نمودار ہوئی لیکن اس کی نظر وہن کے سامنے وہ بھی

ساکت ہو گئی... وہی سی آر پر چلنے والے کسی نظر کی مانند ریوٹ کا بہن دبانے سے نہبر گئی... تصویر

ہو گئی.. اور پھر وہ بارہ اسی بہن کے دبانے سے متحرک ہو کر غراب سے پانیوں میں ڈوب گئی..

یہ ذو لفون آپرا کا آغاز تھا..

پانیوں کے اندر جانے وہ سکتی تھیں..

پھر سندھ کی آبی چادر تار ہوتے گی.. وہ جا بجا بھرتی تھیں.. شعاعوں کی زد

میں آگر وہ شن ہوتی تھیں اور پھر ذوب جاتی تھیں..

جیسے وہ ایک پر فارم تھیں دے رہی ہوں.. سدھائی ہوئی ہوں.. اور صرف ان کے

لئے جو ایک کشی پر سوار ان کی آما جکاہ میں آنکھ تھے، پر فارم کر رہی تھیں.

ان کے رنگ سرمی تھے.. لیکن کشی سے دور ایک طویل فاصلے پر ایک بہت بڑی

جماعت کی ذو لفون سانس لینے کے لئے پانیوں میں سے باہر آئی تو وہ برف سفید تھی۔

وہ کوئی موبی ڈک تھی۔

نہیں.. موبی ڈک تو ایک قاتل دہیل تھی، اس کے اندر کچھ بہبہ اہاب کی ناگف کے

علاوہ متعدد کشیوں کے تختے اور ملاحوں کے بدنا تھے جنہیں وہ نگل چکی تھی..

اس ذو لفون نے کوئی ایسی واردات نہیں کی تھی..

وہ تود کیہ بھی نہیں سکتی تھی.. واردات کیسے کر سکتی تھی۔

وہ سفید ذو لفون بار بار ایک اسی مقام پر ظاہر ہو رہی تھی اور خاور اس کے سحر میں

گرفتار ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ کشی اس کے قریب ہو جائے.. وہ اس کے لشکریے سفید بدن میں

کوئی ہار پون گاڑ کر... کوئی نیزہ اتار کر اسے مارنا نہیں چاہتا تھا.. بلکہ اسے اپنی نزویک ترین

قربت میں دیکھنا چاہتا تھا.. کہ جب وہ پانیوں میں سے جنم لیتی ہے تو اس کی تھوڑتھی پر جہاں

اس کی آنکھیں ہوئی چاہئے قصیں وہاں اگر کچھ بھی نہیں ہے.. تو کیا اس قربت میں وہ اس کی

موجودگی کو محسوس کر سکتی ہے کہ وہ وہاں ہے.. خاور وہاں ہے... اور اس کا گھر مسار ہو چکا

ہے... وہ بے سہار اور بے گھر ہے.. اور اس کی حیات ایک عارضی پرداوی ہے...

یہ جانے کے لئے اسے سفید ڈلفن کی بھسا میگل کی چاہت تھی..  
 سندھ کے پانی ان کے بارہا بھرنے سے بھی اہل رہے تھے..  
 انہیں سانس نہ آتا تھا کہ ہر لمحہ ان میں سے کوئی ایک ڈلفن سانس لینے کے لئے  
 کھلی فٹاہیں پہلے اپنی پشت نمودار کرتی تھی اور پھر اپنی تھوڑی بند کرتی تھی... ہر بھائی کی  
 بے چارگی سے بند کرتی تھی... ایک دہیل کی طرح ظاہر ہوتی تھی اور ڈوب جاتی تھی..  
 سرور اور جعفر جو عام حالات میں لگہریوس کی طرح گز گز کرتے رہتے تھے، خاموش  
 کھڑے انہیں سکتے جاتے تھے..

”سرور...“

”جی سائیں...“ وہ کبھر اکر اپنے سکوت میں سے باہر آیا..  
 ”تم پانی کے پوچھ ہو.. سندھ سائیں میں سے ہی اپنا رزق نکالتے ہو تو بھی اسے  
 بھی شکار کرتے ہو۔“

”نہ سائیں نہ..“ سرور نے کانوں کی نویں چھو کر بھی ایک غظیم گناہ کے لئے معافی  
 مانگی۔ ”نہ... بہن کو پکڑنا تو گناہ ہے سائیں... پر بھی گناہ ہو جاتا ہے.. ہم لوگ رات کے  
 وقت پھتلی کے شکار کے لئے دریا میں جال ڈال کر چلے جاتے ہیں اور جب سورے وہاں آتے  
 ہیں تو... بھی سال دو سال بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ اس جال میں بہن بھی پھنس جاتی ہے.. اور  
 وہ بیشہ مردہ حالات میں ملتی ہے کیونکہ پانی کے اندر باہر آکر سانس لینے کے بغیر وہ زیادہ در  
 تک زندہ نہیں رہ سکتی... جال میں پھنس کر پوری رات نہیں نکال سکتی اور مر جاتی ہے.. تو  
 ہم تو بہ کرتے ہیں کہ اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں ہوتا... ہم تو بہن کو ہر اسائیں مانتے  
 ہیں.. کیونکہ جب یہ نظر میں آؤے تو ہمیں شکار ملتا ہے.. اس کا دیدار مبارک ہوتا ہے..  
 جان بوجھ کر بھی نہیں مارتے... اب سوہنائزب اس کی قضاۓ آؤے تو بھی ملوں ہوتے  
 ہیں...“

سندھ کی چادر لیر دلیر ہو رہی تھی..

اس میں ایک مسلسل ٹھاٹم کی کیفیت تھی... ان کی تعداد چھ سات سے زیادہ تھی..  
 مگر وہ جا بجا بھرتی... اٹکھیلیاں کرتی... ڈوہنیاں بھرتی... قلیلیں کرتی تھیں..  
 ”یہ تو ادھر گھر بنائے کھڑی ہے سائیں...“ سرور کا جتنے انہیں دیکھنے کے لیجان

سے ذرا کا نیتا تھا۔ ”اوہ رپانیوں کا سیل ہوا ہے تاں... تو نیچ میں جہاں دونوں دھارے زور کرتے آتے ہیں اور ان کا طاپ ہوتا ہے تو اوہ سر کچھ علاقہ ایسا ہمایا ہے کہ اس میں پانی کھڑے ہوتے ہیں جیسے گھڑے میں ہوں تو ان میں مجھلی بہت آتی ہے اور بہن جو ہے اسے کھانے کے شوق میں خاص طور پر اوہ آجائی ہے.. گھر بنائے کھڑی ہے سائیں.. ”

ایک اور ست اور لا پر وادو لفون نے پانی میں سے ابھار کیا لیکن اس کی تھوڑی تھی باہر نہ آئی اور وہ ایک سمندری جہاڑ کی طرح بہت دیرے دیرے پانی میں ڈوب گئی..  
ماں جعفراء بھی تک پکھ نہیں بولا تھا..

وہ ایک ایسا ملاج تھا جو پانیوں کے گھرے بھیدن کھولنے کا وچن دے چکا تھا اور کچھ نہیں بولتا تھا.. پکھی اپنی حیاتی میں بہت کچھ دیکھے چکی تھی.. اس کے بدن کی ریت بہت بار عالی ضی پڑاؤ کے طور پر استعمال ہو چکی تھی اور وہ بھی کچھ نہیں بولتی تھی، بیچ کو چمنا ہے بیٹھی تھی..

”ماں...“ سرور اپنے بہن کے دکھادے کے صرتہ آمیز زیجاجان میں شرارت سے پکارا۔ ”تو نہیں بولتا... ہم تو تیرے بال ہیں بڑے کہتے تھے کہ تو نے ایک بار بہن کو گھر والی کیا تھا..“

جواب میں ماں نے اپنی تھیکھ زبان میں اس کے ساتھ کچھ گال مندا کیا لیکن اپنی مسکراتہ پر تابوتہ پاسکا۔

نہیں جو پہلی رات کے جھکڑ میں برخوں کے پیچ کرنا کہہ ہو جانے کے رفتگی میں تھا، یکدم کھل اخدا۔ ”ہاں جعفریہ کیا قصہ ہے.. بہن گھروالی کیسے ہو سکتی ہے.. جیسی؟“

”سائیں کے سامنے تو زبان نہیں سکلتی نہیں...“ جعفر نے چھاتی کو شرمندگی سے کھجالیا۔ ”اور بتانے کی بات بھی نہیں یونہی مشبوری ہو گئی ہے.. جو بھی میں بہت نادانی ہوتی ہے۔ بندہ جنور ہو جاتا ہے پر میں نہیں ہوا۔ یونہی قصہ بتایا ہے..“

ایک اور وادو لفون سندھ کے سینے کو پتیر کر اور پر آئی اور پھر رپانیوں کو پچھاڑتی ہوئی نیچے چلی گئی..

”ساؤ ناں ماں...“ سرور نے اپنی دائیں آنکھ بند کر کے خادر کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگا..

”پکھی تو نہیں سنتی...“ جعفر نے پیچھے مڑ کر تسلی کی اور پھر بولا ”میں بہت چھوٹا تھا، بھی جوانی میں نکل رہا تھا جب میرے دادا کے جال میں ایک بہن پھنس گئی.. ماں ماسا نے بتایا تھا کہ بہن... ایک لڑکی کی طرح ہوتی ہے.. اس کے اعضا بھی ایک عورت والے ہوتے ہیں اور اگر تم اسے گھروالی سمجھو کر اس کے ساتھ میل کر د تو ساری زندگی تمہارا ازور کم نہیں ہوتا..“

”بہن کے ساتھ“

”ہاں سائیں.. پر میں جنور نہیں ہوا.. پر یہ قصے مشہور ہیں کہ ایسا ہوتا ہے اور اسی لئے ہمارے ہاں رواج ہے کہ اگر ایک بندہ بہن کو پکڑ کر لے آتا ہے تو قبیلے والے اسے نہیں کھاتے.. ہاں اگر دو ہوں جب کھالیتے ہیں کہ پاک ہو گی...“

”ماں اصل مجید نہیں کھلتے... چلو سائیں کوہی کان میں بتاؤ کہ کیا ہوا تھا..“  
”نہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔“ قصے یوں نہیں تو مشہور نہیں ہو جاتے...“

”ہو جاتے ہیں..“ جعفر کے پیچے پر ناراضگی ابھری..

”اے بہن کیوں بولتے ہیں؟“

”اوھر کی بولی میں بہن کسی چلانگ لگانے والی شے کو بولتے ہیں اور اگر کوئی موہا اور بدہیت شخص ہو اسے بھی کہتے ہیں...“

”نہیں اس کے پاس ہوا.. اپنی پر سرت یعنی سرت کو رخصت کر کے نہایت سخیدگی سے اپنی آواز مدم کر کے اسے کہنے لگا۔“ سائیں برانڈ مانٹا پر ایک بات پوچھ لوں... یہ درست ہے کہ سائیں برمانی نے ہدایت کی تھی کہ خاور صاحب جہاں تک جائیں لے جاؤ۔ تم نے ان کا ساتھ دینا ہے جب تک یہ خود لوٹنے کو نہ کہیں.. پر سائیں آج سوریے بھی سرور اور جعفر نے مجھ سے بات کی تھی کہ بہت دن ہو گئے ہیں.. صاحب نے گھر کب جا ہے.. تو سائیں بھی نہ کبھی تو داپس جانا ہے تو کب جانا ہے.. آپ کا گھر تو ہو گا.. سب کا ہوتا ہے تو کب جانا ہے...“

وہ گئی رات... جب کہ پارہ کبوکے دیہات مکمل ہار کی میں سوتے تھے اور کہیں کہیں ایک آدھہ بلب ٹھنڈا تھا.. مری روڑ اجاز ہو چکی تھی اور سملی ذیم کو جاتی مزک پر

ویرانی اور اکاپے کے سوا پچھا نہ تھا... وہ سفید کاغذوں پر جھکا... جو نیجل یپ کی تیز روشنی میں پکھ زیادہ سفید ہوتے تھے اپنے ذہن پر بوجھ دالتا تھا... ان پر اتارنے کے لئے لفظوں کا چنانہ کرتا تھا جب اس خبرے ہوئے سکوت بھرے سنائے میں اس کے عین سامنے جو بک خلیف تھا، اس کے اندر ایک گرو گراہٹ ہی ہوئی اور بغیر کسی اختباہ کے مل ڈوزر کے آہنی بلند اپنے دانت کھولے دیوار کو ڈھلتے ہوئے اس کی کتابوں، تصویروں اور مجسموں کو مسماڑ کرتے اس کی کرسی تک آگئے تھے... اس نے بہشکل اپنے آپ کو ملے میں دفن ہونے سے بچایا تھا...

اس تک آنے سے پیشتر وہ اس کے بینہ روم اور ذرا نگ روم میں دندناتے افسیں ملایا میٹ کر چکے تھے۔

صحیح ہوئی تو وہ ایک کھنڈر کے درمیان میں تھا..

اس کا گھر کسی حد تک غیر قانونی تو تھا کہ اس کا نقشہ پاس نہیں ہوا تھا لیکن اس پاس سینکڑوں گھر اسی طور و جود میں آئے تھے.. اور وہ سب کے سب نہیں گرانے گئے تھے.. مل ڈوزر کے آہنی بلند اندھے نہیں تھے، تخصیص کر سکتے تھے.. وہ دیکھ سکتے تھے کہ کون حیثیت والا ہے.. کے صرف چھوٹا ہے صرف چار دیواری کو گرانا ہے.. اور کے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتی ہیں اور کے کھنڈر کر دینا ہے.. جن کے لئے آنکھیں کھلی رکھی ہیں وہ اقتدار کے ایوانوں تک رسائی رکھتے تھے.. جرم کی دنیا میں اہمیت رکھتے تھے.. کچھ سیاست دان تھے اور کچھ سائنس دان اور کچھ فوبی... لیکن اس کی خاور کی کوئی حیثیت نہ تھی... ایک کاغذ کا لے کرنے والے شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے.. اس کی وقعت اور تعقیم کیا ہو سکتی تھی۔

بہت سے دوسرے تھے جو آہ و بکا کرتے تھے۔ ان کے بچے سہے ہوئے تھے اور زندگی کے کلی آثار بلے میں دبے پڑے تھے.. وہ درخواستیں تیار کر رہے تھے.. حکومت کے ایوانوں میں جو بہت تھے، ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے.. احتجاج کرنے کے بارے میں منصوبہ بندی کر رہے تھے.. لیکن اس نے روشنی ہوتے ہی بلے میں سے چند کتابیں کالیں جو اونہی پڑی تھیں دار ڈروب ابھی سلامت تھی اس میں سے چند کپڑے کھینچ کر نکالے اور افسیں ایک بیگ میں خونس کر اس کھنڈر میں سے نکل گیا.. بہمنی اسے یکدم چوٹی زیریں میں

اپنے گھن میں اپنے سامنے پا کر جیران رو گیا تھا "سامیں آپ کہ حیر؟"

"سندھ سائیں پر گھر بنانے آیا ہوں" اُس نے ہس کر کہا تھا۔

فہیم اپنی نادانی میں یہ سمجھتا تھا کہ ہر شخص کا ایک گھر ہوتا ہے جہاں اسے بلا خرچ لوٹنا ہوتا ہے.. اور وہ یہ فہیں سمجھ سکتا تھا کہ کوئی ایک فرد ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کے پاس لوٹنے کے لئے کوئی گھر نہیں ہوتا... البتہ لمحہ بے لمحہ سمجھتی ہوئی حیات کے قبیلے میں جتنے بھی روز و شب رہ گئے تھے، ان میں سلطانہ کی قربت ممکن تھی.. وہ گھر ہو سکتی تھی..

"تو کب لوٹنا ہے سائیں؟"

"آج کہیں رات کر لیں گے فہیم... تو کل سوریے ہم واپس ہو جائیں گے۔"

بہت دیرے سے کوئی ڈولشن سیدہ آب پر نہیں ابھری تھی... وہ بقول سرور پانیوں کے اندر گھر بنانے کھڑی تھیں اور لوٹ چکی تھیں۔

نیم سیاہ رنگت میں سے تیز دانت سکراہٹ اور سرخوٹی میں لشکارتا فیلم آج پھر  
جمور ڈال رہا تھا.. مرغابی کے بیجوں ایسی سیاہ ہتھیلیاں سرور کی تھیں جو پرات پر چپڑو چلائی اس  
میں سے چھم چھم غناہیت ابھارتی تھیں جس پر فیلم کا چھیلباہدن لہر س بناتا رہت پر ناچتا تھا اور  
وہ.. سرور منہ کھولے آج پھر ملاج کو پکارتا تھا..

ملاحا... حا... بال نہ بیڑی کو رساز ہے یار و نجاش...

مل... حا... حا... ماہ جعفر ڈوری میں بُونی گھوتا ڈنڈے کی گولائی سے لپٹے  
گھنکھر ووں کو ملا.. حا... حاگی تال پر چھنکتا اور سر جھنکتا تھا..

سنده کی آبی کائنات میں گمرا سرکندوں اور سرونوں اور قب گھاس سے ادا ایک گنا<sup>۱</sup>  
ذخیرہ تھا جس کے اندر کہیں ایک ہموار بیتلہ نکڑا تھا اس ذخیرے میں چھپا ہوا.. اور یہاں بیٹھے  
ہوئے شاید بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان قد آدم سرکندوں کے پار چند فرلامگ کے فاصلے پر پانی  
شروع ہو جاتے ہیں.. دریا ہے.. اور ایک کشتی ہے کنارے پر ٹھوکے گئے کھونوں سے  
آج اتنی مضبوطی سے باندھا گیا ہے جیسے گھیور کو بونوں نے رسیوں سے جکڑا یا تھا۔ یہ اہتمام  
اس لئے کیا گیا تھا کہ اگر آج پھر بچھل رات والا جکڑ پھر سے حملہ آور ہو جائے تو کشتی اپنی جگہ  
پر قائم رہے اور کناروں سے سر کلرا نکلا کر بلکان نہ ہو..

کشی آج پہلی بار سیاہ رات میں ایکی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ اسے تنہا چھوڑ کر  
اس کے مسافر کہاں چلتے گئے ہیں کونکہ وہاں سے نہ ذخیرے کے درمیان جمور ڈالا فیلم  
دکھائی دیتا تھا نہ سرور کی پرات کی دھمک یہاں تک آتی تھی اور نہ الاؤ کی روشنی کی کوئی خبر ملتی  
تھی..

فہیم سر دنوں کے جزیرے کے چھ ایک اور جزیرے میں جھومر ڈالتا تھا اور الاؤ کی روشنی سے سرکندوں پر سائے وجود میں آتے تھے جو حرکت کرتے رقص کرتے تھے جیسے وہ سائے فہیم کے ساتھی ہوں اور چس مظہر میں اس کی پیروی کر رہے ہوں.. اس کی شگفتہ میں ہوں۔ پچھلی ہوئی دیگچھاں.. ایک ہانڈی.. کچھ برتن آگ کے کناروں پر رکھے ہوئے تھے تاکہ ان میں ستمہزار چھلی کا جو سالن ہے.. بھنی ہوئی مرغی اور شدید میٹھا طوطہ اور پرانی ہیں، وہ سخنڈے نہ ہو جائیں کوئوں کی قربت میں گرم رہیں.. کہ ابھی تو بُوئی کا ذریعہ رہا تھا، کھانے کی باری بعد میں آئی تھی..

اور انہیں کھانے سے کچھ زیادہ دیکھپی بھی نہیں تھی..

بُوئی ان کے اندر رُمشک چارہ تھی... اور وہ لاپرواہ ہو چکے تھے..

ریت پر رقص کر رہا ایک اونٹ کی طرح پاؤں آگے پیچھے جاتا فہیم دونوں ہاتھ پھیلائے جھومر ڈالتا ہوا پکھی کے پاس ہوتا گیا جو بظاہر ان سے لا تعلق پیشی تھی لیکن بُوئی کے چند گھونٹ جو اس کے حلق سے اترے تھے وہ اسے بھی ایک خاص لہک اور مستی سے دوچار کرتے تھے اور وہ کن اکیبوں سے کبھی بحقی تھی۔ ”پکھیے.. آجا.. آ..“ فہیم نے جھک کر اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

سرور نے پرات سے سراخا کر انہیں دیکھا اور خوش ہو گیا.. پوری بیسی نکال کر پرات پر زور سے ہتھیلی مار کر تال وی اور پھر کسی دلبے سے بن مانس کی طرح چینا ”چل اوئے پکھیے...“

پکھی فہیم کے جکڑے ہوئے ہاتھوں سے بندھی انھی کھڑی ہوئی.. اور وہ ہنسی جاتی تھی.. اس ہنسی نے اس کا مہاندرہ بدل دیا اور وہ خادر سے پہچانی نہ گئی... وہ صرف اس ہنسی سے ایک مختلف عورت ہو گئی تھی.. فہیم نے اس کے بازوؤں کو اونچا کیا اور پھر انہیں چھوڑ کر اس کے گرد ناپنے لگا۔ سرور کی پرات کی تال سے پکھی کا بدن واقف تھا اس کی نمر میں تھا.. اس لئے وہ نہایت آسانی سے اس کے ہمراہ حرکت کرنے لگی..

ماماں جعفر بھی نہ رہ سکا اور ”پکھی اوئے پکھی“ کہہ کر بُوئی گھونٹے والا ڈنڈا دنوں ہاتھوں میں تھام کر اٹھا اس کے ٹھنگر دچھکانا فہیم کی طرح قدم آگے پیچھے رکھتا ان دونوں کے گرد پچکر کا فنا جھومر ڈالنے لگا..

رات کی اجازاً اور بے آباد سیاہی میں الاؤ کی ٹینیوں کے جلنے سے ان کے سلگنے،  
ٹونٹے اور کوکلہ بن کر راکھ ہونے کی آوازیں اور سراہب جنم لئی تھیں... جیسے کائنات کا  
سکوت ہو لے ہو لے ٹونٹا ہو۔ اس میں دراڑیں پڑتی ہوں.. اور ان ٹینیوں کے پر چھائیاں الاؤ  
سے دور سرکندوں پر بے حساب ہوتی تھیں، لا تعداد متحرک بجوم ہوتی تھیں جیسے وہاں ایک  
اور دنیا ہو.. ان کے بیٹے ہوئے جتنے جنم تھے ان کے سامنے رقص کرتے ہوں.. ہزاروں  
برسون کی تہائی اور گمشدگی سے نیک آئے ہوئے جنم آج کی شب ظاہر ہو گئے ہوں.. لیکن  
ان کے قریب نہ آتے ہوں ذرا فاسطہ پر رہتے مردُوں پر حرکت کرتے سامنے ڈالتے جھومر  
ناپتے ہوں..

آن کی سرخوشی اور بے جا ب مررت کا سب صرف بُولی کے گھونٹ نہ تھے... ”  
کل سوریے اس بے جواز مسافت کو ترک کر کے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے.. غازی  
گھاٹ کے ساحل کو دابیں جا رہے تھے.. فہیم اپنے فور پور جارہا تھا.. پھر چدر انوں میں ان  
کے جو پڑا تو ان کے جو ذریعے تھے ان میں پہلے پہل کی رو نہیں نہیں تھیں ” خاصو شی اور  
ٹھہری ہوئی اداسی اڑ پکھی تھی.. وہ صاحب کے لئے اپنے فرانچ سر انجام دیتے تھے.. اس کی  
چاکری کرتے تھے.. کشتی کھیتے تھے، کھانا بنا کر خیسے لگاتے تھے اور ایک دہم کے ساتھ سو جاتے  
تھے.. انہیں دہم تھا کہ یہ سائیں کوئی بلا ہے.. بھوت پریت کا ٹگلی سا تھی ہے جو ہمیں اپنے  
ساتھ گھینٹا ہوا جانے کہاں لے جا رہا ہے.. جانے ہم لوٹنے بھی ہیں یا نہیں... نہ یہ پرندوں کا  
شکاری ہے.. نہ داروں کا شو قین ہے اور نہ اس نے پکھی پر نظر کی ہے.. چنانچہ یہ صرف سادی  
کے گھونٹ نہ تھے... وہ اپنی رہائی پر خوش تھے..

”آج نیک کناروں پر پہنچی مظہر کشی کرتے ہیں...“ فہیم نے اس سے اجازت مانگی  
تھی۔ ”آج آخری بار الاؤ جلا گئیں گے تو ذرا اوہر سردوں کے اندر چل کر رات کرتے ہیں،  
منظیر کشی اوہر کرتے ہیں... ہوا بھی کم ہو گی اور منظر بھی عجب ہو گا...“

انہیں رہائی کی نوید مل پکھی تھی اس لئے وہ مسرت سے بُر بُر ہو رہے تھے...  
خاور کے آئندہ دنوں میں ایک کھنڈر تھا اور واپسی کا خوف ایک تیندے کی طرح  
اس کی ایک ایک رگ سے پٹ کر اس کا سافنس روکتا تھا... اس نے کہاں واپس جانا تھا۔

کراچی سے واپسی پر وہ بہت دن ایک بے یقینی گیفیت میں بے حس رہا... جیسے  
مصنوعی ناگلوں والا ایک شخص اپنے نچلے دھڑیں پکھے بھی محسوس نہیں کرتا...  
یہ محبت میں ہریمت نہیں تھی... یہ نہیں کہ وہ عابدہ سو مرد کے عشق کے  
زیر آب جال میں ایک اندر گی ڈولن کی طرح پھنس گیا تھا... وہ تو اس کی موت کے خدشے  
کے چکل میں الجھ کر اس کے قریب ہوا تھا... وہ اس کے لئے روایا تھا... اس کی خر خر آتی آواز  
اور قربت مرگ اس کے دل میں چھید ڈالتی تھی... کھڑکی کی چوکھت پر انکا سورج کا شرعا  
وجود ان دونوں کو جنس اور محبت کے ملاب میں یک جان ہوتے نہیں بلکہ موقع موت کی  
آخری رسوم میں الجھے ہونے دیکھتا تھا... اور پھر یکدم شبلا آفریدی نے اسے برہنہ کر دیا... اس  
کے پاس سوائے شرمندگی کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا... ایک عارضی پڑاؤ پر ایک شب گزار کر وہ  
آگے چلی گئی تھی...  
...

بہت دنوں سے غلامی آنکھوں کا فون بھی نہیں آیا تھا... لاہور نے کراچی تک  
کے سفر میں جہاز میں جو دفعہ ہوا تھا اس کے بعد وہ احتیاط کرنے لگا تھا... اس کے فون کا جواب  
نہ دیتا تھا... وہ "پیلو" کہنے کے بعد منتیں کرنے لگتی تھی کہ اب ایسا نہیں ہو گا لیکن اس کا کچھ  
اعتبار نہ تھا... وہ خود اپنے آپ کو پاگل خانہ کہتی تھی تو ایک پاگل خانہ کا کیا اعتبار اور پھر وہ پیچ گیا  
تحما... باقاعدگی سے تو نہیں کبھی کھمار اس سے مل یاتا تھا لیکن... اب بہت دنوں سے اس کا فون  
نہیں آیا تھا... اور اب اس کی ولی تھنا تھی کہ اس کا فون آجائے اور وہ اپنے زیر دپاٹ پر  
کھڑے ہو کر... پچھن تو میتو سینڈ وچ چباتے ہوئے... پارہ کبو کے دریہات میں اوپنیں بلب  
روشن ہوتے ہوئے... دیکھتے... مخروط دم والے کر لے کو ریختے... دیکھتے... اسے عابدہ سو مرد کی  
اصلیت کے بارے میں بتائے... اسے اپنی شرمندگی میں حصہ دار بنائے...  
خاور اس کے رد عمل کو جانتا تھا... وہ جانتا تھا کہ اس نے عابدہ کے نفیا تی بھاڑا اور  
اس سے لا تعلق موت کی قربت... عدم اور نیستی کی درست انوں کے بے نیاد ہونے پر نہایت

خوش ہونا تھا.. اپنی غافلی آنکھوں کو جھپکتے ہوئے مسلسل رونا تھا اور خوش ہونا تھا.. اور اس کے باوجود وہ اسے اپنی شرمندگی کا حصہ دار بنا چاہتا تھا..

ٹیلی فون نمبر اس کے پاس موجود تھا کیونکہ ایک روز جانے کیس کیفیت میں اس نے کہا تھا کہ .. تمہارے پاس میرا نمبر تو ہونا چاہئے.. لیکن آج تک وہ اس کی انگلیوں سے ڈائل نہیں ہوا تھا اس لئے کہ وہ اس کی پرائیویٹی کا احترام کرتا تھا.. یہ طے تھا کہ صرف وہی اسے ٹیلی فون کرے گی..

لیکن بہت دلوں سے.. اتنے دن بھی نہیں گزرے تھے.. اس کا فون نہیں آیا تھا۔  
بلہ وزیر کے بلیڈ کی آمد سے پہلے جب اس کے آس پاس دیواریں تھیں اور سر پر چھٹ تھی اور ایک گھر تھا.. خاور نے آخری فون اسے کیا تھا..

”بھی ہیلو..“ کسی مرد کی روکھی اور بے روح آواز تھی۔

وہ جھپک گیا.. جواب میں کیا کہے... کہتے کہتے رک گیا اور فون بند کر دیا.. وہ اس کا نام نہیں جانتا تھا تو وہ کیا کہے کہ کس سے بات کرنی ہے..  
تحوڑی دیر کے بعد اس نے پھر ڈائل کیا..  
”بھی ہیلو..“

”آپ.. کون بول رہے ہیں؟“

”آپ نے کس سے بات کرنی ہے..“ لبھ میں تحکاہات اور بیزاری تھی.. شاید اس کا بینا تھا..

”آپ کی والدہ اگر گھر پر ہیں تو...“

”آپ کون بول رہے ہیں؟“

”بھی میرا نام خاہر ہے اور... میں ان کو جانتا ہوں.. آپ.. آپ ان کے بیٹے بول رہے ہیں؟“

”بھی...“ لبھ میں شناسائی آگئی۔ ”بھی.. میں آپ کو جانتا ہوں سر.. آپ سے مل چکا ہوں ایز پورٹ پر.. جب اماں کراپی جا رہی تھیں اور میں نے آپ سے ریکوئست کی تھی کہ آپ ان کے برادر میں بینے جائیں.. میں سر آپ کو جانتا ہوں..“

”تجھیک یو.. تو ان سے بات ہو سکتی ہے؟“

”وہ.. اماں تو.. چھپلے بخشنے ان کا انتقال ہو گیا ہے..“

”بھی...“

اس فون پر اس تک آنے والی آواز مندوش لگتی تھی.. یہ غلط نمبر تھا..

”آپ نہیں جانتے؟“

”نہیں...“

”یہ سب کچھ اچانک تھا.. وہ اکثر آپ کا تذکرہ کرتی تھیں ایک فلکسیشن تھی آپ کے لئے.. اور ابا بہت خوش ہوتے تھے انہیں چھیڑتے تھے اور وہ سرخ ہو جاتی تھیں.. جی سر... آپ نہیں جانتے مگر شی وازاے گریٹ نہیں آف یورس.. ان کا دسوال ہے پرسوں.. آپ اگر آسکتے ہیں تو... شی دل بی دیری پہنچی..“

اس کا ذہن نجہد ہو گیا.. جیسے ہزاروں برسوں کی برف انثار تک میں بے حس اور سرد ہوتی ہے اور اس کے نیچے کئی کلو میٹر کی مگرائی میں کوئی ایک جھیل پوشیدہ ہوتی ہے جو اپنے بھید عیال نہیں کر سکتی.. ”آلی ایم سوری بینے... یہ کیسے ہوا؟“

”ہمیں ان سے بہت فکایت ہے...“ ”نوجوان ہے اپنے حواس اور آواز پر ابھی تک مکمل اختیار تھا، ہیکیاں لینے لگا۔“ انہیں معلوم تھا لیکن انہوں نے ہمیں بتایا نہیں.. چھپائے رکھا.. ایک وجہ پر قسم کا کیسر تھا اور اس کی تشخیص ہونے پر انہوں نے ہمیں بتایا نہیں... وہ... ہمیشہ اپنے ہند بیک میں سے گولیاں اور کیپسول نکال کر چانگتی رہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ دنامن ہیں... اور پھر... دو تین روز کے اندر اندر.. آپ کسی وقت ہمارے ہاں آئیں انکل.. ماں کی وجہ سے ہم بھی آپ کو اپنا اپنا ساموس کرتے ہیں.. ابھی لوگ آ رہے ہیں..“

نہ اسے بھی اس کے وجود کا یقین آیا تھا اور نہ ہی اب اس کے عدم وجود سے مغافلہ ہو رہی تھی.. یہ دونوں وہم کے پرندے تھے جو اس کی ذات کے گھونٹے میں اترے تھے..

اس کے ہونے کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا...

اسے ہارہ کوئی پہاڑیوں میں جا کر اس ہڑے پھر کی کوکھ میں جھاگکنا چاہئے.. یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا وہاں واقعی خورد دنوش کی کچھ چیزیں ہیں جو شاید وہ آخری ہار وہاں رکھ کر

گئی ہو... اپنے ہونے کے ثان کے طور پر...  
 بس سبھی توجیہ سخی اس کے مختلف اجزاء سے بننے ہوئے کردار کی.. اس کی  
 شخصیت کے الجھاؤ کی.. تشخیص کے بعد ہی اس نے فیصلہ کیا ہو گا کہ وہ اس مہلت کے اندر  
 اندر جو اسے ملی تھی؛ وہ کچھ کر گز رے جو اس کا جی چاہتا تھا..  
 تسبیحی وہ روتنی بہت تھی..

اپنی موت کے لئے خود ہی پہنچی روتنی رہتی تھی..  
 غلافی آنکھوں میں اسی لئے آنسو بہت تھے..

موت کے ذرائے میں نیلے دھوں کے بدن کے ساتھ وہ... عابدہ سو مرد  
 لا اکاری کرتی تھی.. اگرچہ ان لمحوں میں جب وہ شیخ پر ہوتی تھی، اپنے کردار میں ڈوب کر  
 حقیقت ہو جاتی تھی.. اور وہ جسے مرگ کی شیخ پر دھکیل دیا گیا تھا، ظاہرنہ کرتی تھی.. صرف  
 آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ ایک بڑی لا اکارہ ہے.. اسے بہترین  
 لا اکاری کا کوئی بھی ایوارڈ نہیں مل سکتا تھا..  
 وہ اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا..

لاست نیکو ان پیرس کی طرح... میں تو اس شخص کا نام بھی نہیں کا نتی...  
 کل کلاں کسی بھی قبرستان میں کسی کتبے کو پڑھ کر وہ سبھی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ...  
 یہاں دفن ہے...  
 ...

ملاحا... حا...

ہال نہ بیڑی تھیں ساڑھے یار و نجباں  
 پاکھنی کا دراوزہ بدن... رات کے سیاہ اکلاپے میں.. کہ الاڈ کی طرف کسی نے  
 دھیان نہیں کیا تھا اور وہ راکھ میں بدل پکھاتھا.. تو پاکھنی کا دراوزہ بدن سختے سرونوں پر اپنے  
 سائے بھیجن تھا، اپنے پچھلے جنم کو لوٹا تھا، بے خود بے راہر و اور آزاد ہوتا تھا.. اس کے  
 کولہوں پر ابھی تک ریت کے ذرے چھٹے ہوئے تھے... اور اس کی چھاتیوں میں موہنجو ڈالو  
 کے پریست کنگ کا تختہ الٹ دینے کی صلاحیت تھی...  
 نہیں بازو بلند کئے... سر در کی پرات کی تال پر حرکت کرتا ہوا... مہاں جعفر جھکا ہوا

بوفی کی نشکن میں رچا ہوا اور ان دونوں کے درمیان پکھی اپنے پچھلے جنم میں رات کی سیاہی کو اپنی سیاہ تر آنکھوں سے چیرتی.. ان دونوں کی موجودگی سے لاپرواہ اپنے آپ میں گم ہاجتی تھی۔

الاؤ کے گرد جو ہائیاں اور برتن خواراک کے دھرے تھے.. اس آس میں پڑے تھے کہ گرم مرہیں گے وہاب خندے ہو رہے تھے اور ان پر راکھ کی تہہ جتی جاتی تھی۔  
خاور کو بھی بھوک نہ تھی..

اگرچہ اس نے فیم سے خصوصی فرماں کر کے سمجھا، پھل کا سامن ہنریا تھا ہلوے کی خواہش کی تھی لیکن اس کی اشتہراً خستہ ہو پچھی تھی..  
وہ تینوں اس کے وجود سے بھی غافل ہو چکے تھے.. وہ ان کے لئے فالتو ہو چکا تھا کیونکہ کوچ کا نقارہ نجی چکا تھا وہ اگلی صبح گھر دوں کو لوٹ رہے تھے اس لئے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی..

ریت کی گرفت میں سے خاور نے اپنے آپ کو زار ازور لگا کر اٹھایا.. پکھو دیرا نہیں دیکھتا رہا.. سبیں وہ لمحے تھے اس بیان میں.. اس سرونوں سے گھر سے جزیرے میں جوان تینوں کو اس سے ممتاز کرتے تھے.. وہ برتر ہوتے تھے اور وہ حیرت ہوتا تھا کہ وہ اپنے تہذیبی پس منظر میں اسی ران کی روح میں شامل نہیں ہو سکتا تھا اور وہ تینوں قیود میں نہ تھے آزاد تھے..

خاور نے ابھی تک پکھی کے کولبوں سے چمنی ریت کو دیکھا اور پھر اپنی پشت کو جھاڑا کر ان سے پرے ہو کر سرونوں اور سرکندوں کی جانب چلنے لگا..  
انہوں نے ذرا وہم لے کر اس سے نہیں پوچھا کہ سائیں کہ ہر جاتے ہو.. کہ وہ اس سے غافل ہو چکے تھے.. ہاں پکھی کے کولبوں نے اور چھاتیوں نے اس پر ایک نظر کی اور پھر سے اپنے پچھلے جنم میں چلے گئے..

سرنوں پر ان تینوں کے سایوں کا کھیل حرکت کرتا تھا..  
وہ ان کی پوچھائیوں سے ان تینوں کو الگ الگ پہچان لکھا تھا..  
جو سایہ سرکندوں سے بھی اور لکھا تھا وہ فیم تھا.. جھکا ہوا.. پکھو تلاش کرتا سایہ جعفر کا تھا اور ان کے بیچ پکھی کی پوچھائیاں سرور کی تال کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں..

پر چھانیوں کے اس سکھیل کے اندر خاور نے قدم رکھا تو سروٹ شروع ہو گئے..  
ان کی شاخیں تیکھی اور تیز دھار کی تھیں.. وہ اندر ہیرے میں ان میں راہ بناتا، اپنے ہاتھ  
پھیلائے ان میں سے راہ بناتا آگے ہوتا تھا تو اس کے گالوں اور ہاتھوں پر ان کی دھاریں دار  
کرتی تھی اور خراشوں میں سے خون پھوٹا تھا..

سرنوں سے کل کر رکھنے کے لئے کندے کم اندر ہیرے میں تھے اور کشتی نظر آری تھی  
متعدد کھونوں سے بند جی رسوں میں جکڑی کشتی اتنی مضبوطی سے بند جی ہوئی تھی کہ پانیوں  
میں کسما بھی نہیں سکتی تھی.. نہ یہاں سرور کی پرات کی تھاپ سنائی دیتی تھی اور نہ یہ شک  
ہوتا تھا کہ یہاں سے کچھ فاسطے پر ذخیرے کے اندر تین وجود جھومر ڈال رہے ہیں کیونکہ  
انہیں رہائی کی خبر مل چکی ہے.. کشتی سے ذرا فاسطے پر ریت کا ایک ابھار تھا..

رات میں وہ پوری طرح عیاں تو نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا ابھار ایک گمان کی  
صورت میں اس کا پتا دیتا تھا اور جب وہ کندے کی ریت پر چلتا ہوا اس تک پہنچا تھا تو قدم  
بتاتے تھے کہ اب وہ اور پر اندر ہے ہیں..

آلتی پالتی مارے ہوئے وہاں بیٹھا بہت درستک وہ ایک تاریک خامیں رہا.. ایک  
ریت پر رہ جانے والے ڈولن کی مانند نایبار ہا.. اور یہاں سے.. اگر ایک شخص بہت درستک  
آنکھیں جھپکاتا رہے تو اسے احساس ہوتا تھا کہ کشتی کے پہلو میں سے لکھتی ایک سیاہ چادر ہے  
جود ہیرے کر دیتی بدلتی ہے.. ہولے ہولے بہتی ہے..

سندھ سا گر اس کے لئے.. ایک عارضی پڑاؤ تھا جہاں سے اس نے کل سویرے  
کوچ کر جانا تھا.. لیکن کہاں جانا تھا.. اس کے بارے میں مکمل نایابی تھی.. عابدہ سو مرد جانتی  
تھی کہ ایک عارضی پڑاؤ کے بعد کہاں جاتے ہیں.. غالباً آنکھوں کو بھی خبر مل چکی تھی کہ  
اس نے کہاں جانا ہے.. ان دونوں نے اسے ایک عارضی پڑاؤ کے طور پر استعمال کیا تھا اور چلی  
گئی تھیں.. سلطان اگرچہ تھی لیکن وہ اسے ناظم الدین روز پر مرنے کی بجائے سید عاصی  
جانے کی خواہش کا اظہار کرنے کے باوجود سب کچھ فراموش کر کے لا تعلق ہو سکتی تھی..  
مری لیکا سے واپسی پر ایک پورت پر اسے پہنچانے بغیر آگے جا سکتی تھی.. جیسے لا تعلق سے ایک  
عارضی پڑاؤ کو چھوڑ کر آگے جایا جاتا ہے...

ہوا پہلو بدلتی ہوئی آئی تو سرنوں کی جانب سے سرور کی پرات کی تال لمحے بھر